© rasailojaraid.com

طلباء کی تعلیم وتربیت اور معلمین کی ذمہ داریاں

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

[۳۰/دسمبر ۲۰۱۳ء کو جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں اساتذہ مدارس دینیہ کے لیے ایک ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا، اس موقع پر ناظم اعلیٰ وفاق المدارس نے مذکورہ عنوان کے تحت چند گذارشات پیش کیں، افادہ عام کی غرض سے پیش ہے...............ادارہ]

الحمد لله کفی وسلام علیٰ عباده الذین اصطفیٰ

قال النبی صلی الله علیه وسلم: إنما بُعِثتُ معلّما .(الحدیث)

مسجد نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست علم وعمل سیکھنے والے افراد دو مختلف حلقوں میں تشریف فرما تھے، ایک جماعت ذکر واوراد میں مصروف تھی اور دوسری جماعت تعلیم وتعلم میں مشغول تھی اس اثناء میں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کو دیکھ کر مسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا: "کلاهما علی الخیر" کہ یہ دونوں جماعتیں کارِ خیر میں مصروف ہیں، یہ ارشاد فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم علم والوں کے حلقے میں تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا "إنما بعثت معلما" کہ مجھے معلم بنا کر مبعوث فرمایا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اور ارشاد اسلام میں تعلیم وتعلم کی افادیت واہمیت پر قولِ فیصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دنیا میں تشریف لائے، یہ دنیا ہر طرح کی برائیوں کی آماجگاہ تھی۔ کوئی برائی نہ تھی جو عرب کے سماج میں نہ پائی جاتی ہو۔ لوگوں کی جان محفوظ تھی نہ مال اور نہ عزت وآبرو، بے حیائی کا یہ حال تھا کہ اور مواقع تو کجا، کعبہ کا طواف بھی بے لباس کرتے تھے۔ ظلم وجور کی کوئی حد نہ تھی تمام فیصلے "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" کے اصول کے تحت ہوا کرتے تھے۔ مذہبی پہلو سے دیکھیے تو بدترین شرک تھا جس میں عرب گرفتار تھے، عرب سے لے کر چین تک پوری مشرقی دنیا علانیہ شرک میں مبتلا تھی، سلطنت روم کا مذہب گو عیسائیت تھا لیکن یہاں بھی توحید کے پردے میں شرک کی حکمرانی تھی اور ایک خدا کی بجائے تین افراد پر مشتمل خدا کے کنبے کی پوجا کی جاتی تھی۔

اِن حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور جب عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو نبوت کا تاج گہر بار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرِ مبارک پر رکھا گیا۔ بہ ظاہر یہ خیال قرینِ قیاس ہے کہ ان حالات میں جو پہلی وحی نازل ہوتی وہ اصلاحِ عقیدہ کے پہلو سے توحید کے اثبات اور شرک کے رد میں ہوتی، یا انسانی نقطۂ نظر سے ایسی آیت ہوتی جس میں ظلم و جور سے منع کیا گیا ہو اور انسانی اخوت و مساوات کا سبق دیا گیا ہو یا سماجی اصلاح کے متعلق کوئی آیت ہوتی جس میں بے شرمی و بے حیائی سے روکا گیا ہو...... لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی جو وحی نازل ہوئی اس میں ان میں سے کسی بات کا تذکرہ نہیں بلکہ ارشاد فرمایا گیا: ﴿ اقرأ باسم ربك الذی خلق ٥ خلق الانسان من علق ٥ اقرأ و ربك الاکرم ٥ الذی علم بالقلم ٥ علم الانسان ما لم یعلم ٥﴾ ''اپنے رب کے نام سے پڑھ جو سب کا خالق ہے۔ جس نے آدمی کو جمے ہوئے خون سے بنایا، پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے علم سکھایا، آدمی کو وہ سکھایا جو وہ جانتا نہ تھا''۔ یعنی سب سے پہلے اِسلام نے تعلیم اور پڑھنے کی طرف متوجہ فرمایا اِس لئے کہ علم کی مثال روشنی کی سی ہے اگر کسی تاریک کمرے میں سانپ بھی ہوں، بچھو بھی ہوں اور دوسرے تکلیف دہ کیڑے مکوڑے بھی، آپ ان سب کو مارنے اور بھگانے کے لئے الگ الگ محنت کریں تو وقت بھی زیادہ لگے گا اور شاید کامیابی بھی نہ ہو، لیکن اگر آپ ایک چراغ جلا کر رکھ دیں تو خود بخود یہ کیڑے مکوڑے اپنا بسیرا اٹھالیں گے، کیونکہ تاریکی ہی ان کی پناہ گاہ ہے۔ یہی کیفیت علم کی ہے۔ عقیدہ، عمل اور معاشرت و اخلاق کی تمام برائیاں جہالت کا نتیجہ ہیں، جہالت کی تاریکی ہی میں یہ مفاسد پرورش پاتے ہیں۔

تعلیم کا عمل استاذ، شاگرد اور کتاب کے مجموعہ سے تشکیل پاتا ہے۔ اساتذہ قوم کے اصل معمار ہیں، تعلیم گاہوں کے ارتقاء و استحکام اور نافعیت و افادیت کا پورا انحصار انہی اساتذہ پر ہے۔ استاذ کی ذمہ داری معمولی نہیں وہ اپنی آنکھیں جلاتا ہے، دماغ و دل کو سلگاتا ہے اور اپنے مطالعہ کا حاصل اُن کو سمجھاتا ہے جو سمجھنے کے لئے تیار نہیں، اُن لوگوں کو دکھاتا ہے جو دیکھنا نہیں چاہتے اور اُن لوگوں کو سناتا ہے جو سننے پر آمادہ نہیں۔ یہ ایسے فقیر کے کشکول کو بھرنا ہے جسے اپنے فقر و احتیاج کا شعور تک نہیں۔ اِس لئے اساتذہ و معلمین کی ذمہ داریاں بہت اہمیت کی حامل ہیں، علم اور طالب علم کی محبت اور افادہ و نفع رسائی کے جذبۂ صادق کے بغیر کوئی شخص کامیاب استاذ یا معلم نہیں ہوسکتا۔ استاذ کے دل کو اپنے طلبہ کی محبت سے اسی طرح لبریز ہونا چاہیے جیسے پھول خوشبو سے ہوتا ہے تب ہی اس کے علم کی خوشبو پھیلے گی اور اس کا فیضِ علم عام و تام ہوگا۔

مشہور محدث امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں آدابِ علم سے متعلق ایک باب ''کتاب العلم'' کا قائم کیا ہے اور بڑے نفیس انداز میں علم سے متعلق اساتذہ اور طلبہ کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً یہ کہ جب استاذ درس دینے میں مشغول ہو اور بیچ میں طالب علم سوال کرے تو اس استاذ کو کیا کرنا چاہیے؟ اونچی آواز خلافِ ادب سمجھی گئی ہے، لیکن استاذ اپنے شاگرد سے اونچی آواز میں بات کرسکتا ہے، مجلس علم کا ادب یہ ہے کہ طالب علم کو جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے، استاذ تعلیم اور نصیحت و موعظت میں اپنے غصے کا اظہار کرسکتا ہے، استاذ کا کردار و اخلاق مثالی ہونا چاہیے، اسی طرح امام بخاریؒ نے اس بات پر بھی متنبہ فرمایا ہے کہ محض ذہانت اور محنت کسی طالب علم کے کامیاب ہونے کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کافی نہیں بلکہ استاذ کی دعا بھی نہایت ضروری چیز ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کم سنِ صحابی تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ شرف صحبت حاصل نہ تھا، اِس کے باوجود قرآن وحدیث اور فقہ واجتہاد میں بلند پایہ تسلیم کئے گئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے تفقہ کی دعا فرمائی تھی اور ظاہر ہے کہ دل سے دعا اس وقت نکلتی ہے جب طلبہ سے استاذ خوش ہو دل گرفتہ نہ ہو۔

جو شخص جتنے بلند مقام ومرتبہ کا حامل ہو اسی نسبت سے اس کی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ استاذ باپ کا درجہ رکھتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے شاگردوں کو وہی محبت اور پیار دے جو ایک باپ اپنی اولاد کو دیتا ہے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اپنے طلبہ کی نسبت فرماتے تھے کہ اگر ان پر ایک مکھی بھی بیٹھ جاتی ہے تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ (تذکرۃ السامع: ص ۴۹)

سلفِ صالحین کو اپنے شاگردوں سے ایسی محبت ہوتی تھی کہ اُن کی نجی دشواریوں کو بھی حل کرتے تھے، امام شافعیؒ بڑے اعلیٰ درجے کے فقیہ ومحدث ہیں یہ حصولِ علم کے لئے مدینہ منورہ پہنچے، غریب آدمی تھے، امام مالکؒ نے اپنے اس ہونہار شاگرد کو خود اپنا مہمان بنایا اور جب تک مدینہ منورہ میں رہے ان کی کفالت کرتے رہے، پھر جب امام شافعیؒ نے مزید کسب علم کے لئے کوفہ کا سفر کرنا چاہا تو سواری کا نظم بھی کیا اور اخراجات سفر کا بھی اور شہر سے باہر آ کر نہایت محبت سے آپؒ کو رخصت کیا۔ امام شافعیؒ کوفہ آئے اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کی درسگاہ میں بحیثیت طالبعلم شریک ہوئے، یہاں بھی امام محمدؒ نے ذاتی طور پر امام شافعیؒ کی کفالت فرمائی۔ امام شافعیؒ اس حال میں کوفہ پہنچے تھے کہ آپؒ کے جسم پر معمولی لباس تھا امام محمدؒ نے اسی وقت قیمتی جوڑے کا انتظام فرمایا جو ایک ہزار درہم کا تھا، پھر جب امام شافعیؒ کو رخصت کیا تو اپنی پوری نقدی جمع کر کے تین ہزار درہم اُن کے حوالے کئے۔ (جامع بیان العلم لابن عبدالبر: ص ۲۶۸)

امام ابو یوسفؒ کے والد دھوبی کا کام کرتے تھے، بڑی عُسرت کے ساتھ گزر اوقات ہوتی تھی بلکہ اس افلاس ومجبوری کی وجہ سے ان کے والدین کو امام ابو یوسفؒ کا پڑھنا پسند نہیں تھا، وہ چاہتے تھے کہ آپ کسبِ معاش میں مصروف ہوں اور گھر کے اخراجات میں ہاتھ بٹائیں۔ امام ابوحنیفہؒ اُن کی ذہانت اور طلبِ علم کے شوق سے بہت متاثر تھے اِس لئے امام صاحبؒ نے نہ صرف امام ابو یوسفؒ کی کفالت کی بلکہ اُن کے گھرانے کے لئے بھی ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

آج کل صورتِ حال یہ ہے کہ تدریس ایک فریضہ کی ادائیگی نہیں کہ آدمی بقدرِ ضرورت کچھ تنخواہ لے لے اور بے غرضی کے ساتھ اپنے شاگردوں کو پڑھائے بلکہ تدریس ایک ایسی تجارت بن گئی ہے جس کے لئے کسی سرمایہ اور دکان کی ضرورت نہیں، اساتذہ تاجر ہیں اور طلبہ گاہک، اساتذہ اسکولوں اور کالجوں میں قصداً اسباق کو تشنہ رکھتے ہیں تا کہ طلبہ ان سے ٹیوشن پڑھیں اور کم وقت کی زیادہ قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہوں، بعض دانش گاہوں میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لئے بھی "شایانِ شان نذرانہ" پیش کیا جاتا ہے، یہ ایسی شرمناک بات ہے کہ اس کا تذکرہ بھی گراں خاطر ہے، ایک ایسا مقدس رشتہ جو مکمل طور پر بے غرضی پر مبنی ہے، جو ایک دوسرے سے بے لوث محبت اور بے پناہ شفقت کا متقاضی ہے اور جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم گاہیں انسانیت، محبت اور فرض شناسی کا احساس پیدا کرنے کے لئے ہیں، وہیں سے ایسی بداخلاقی اور حرص وطمع کا سبق ملے تو پھر کون سی جگہ ہوگی جہاں انسان کو انسانیت کا سبق مل سکے گا۔ حماد بن مسلمہؒ ایک مشہور محدث گزرے ہیں ان کے ایک شاگرد نے چین کا تجارتی سفر کیا اور کچھ قیمتی تحائف استاذ کی خدمت میں پیش کئے، استاذ نے فرمایا کہ ''اگر یہ تحفے قبول کروں گا تو آئندہ پڑھاؤں گا نہیں اور پڑھاؤں گا تو یہ تحفے قبول نہیں کرسکتا۔'' (الکفایہ للخطیب ص ۱۵۳)

اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ تدریس کے لئے کسی شخص کا انتخاب اہلیت اور لیاقت کی بناء پر ہونا چاہئے، اہلیت کا مطلب یہ ہے کہ جس مضمون کی تدریس اس کے حوالہ کی جارہی ہے وہ واقعی اس مضمون میں عبور رکھتا ہو اور اپنے اخلاق و عادات کے اعتبار سے بھی انگشت نمائی سے محفوظ ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ استاذ اپنے مضمون پر محنت کرتا ہو اس کے مطالعہ و تحقیق میں ارتقاء اور تسلسل ہو، وہ اوقاتِ درس کا پابند ہو اور اپنے وقت کو طلبہ کی امانت تصور کرتا ہو، اس لئے کہ ملازمت کے اوقات میں اپنا ذاتی کام کرنا ایک طرح کی چوری ہے۔ طلبہ کے ساتھ اہانت آمیز سلوک یا اُن کی تذلیل بھی استاذ کے شایانِ شان نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ اگر کسی کو غلطی پر ٹوکنا ہوتا تو تنہائی میں سمجھاتے اور مجمعِ عام میں کسی کا نام لئے بغیر مبہم انداز میں توجہ دلاتے اس لئے کہ مقصود اصلاح ہے نہ کہ توہین، بعض ذہین طلبہ شرارتی ہوتے ہیں اگر تنہائی میں بلا کر ان کی تفہیم کی جائے تو ان کی ذہانت کو تخریبی کاموں کی بجائے تعمیری کاموں کی طرف موڑا جاسکتا ہے۔

استاذ کے لئے علمی لیاقت کے ساتھ سنجیدہ اور باوقار ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر استاذ خود اخلاقی پستی میں مبتلا ہو، طلبہ سے سطحی گفتگو کرتا ہو یا اُن کے سامنے فحش مذاق کرتا ہو یا اس کی زبان و بیان سے وقتاً فوقتاً سوقیانہ پن کا اظہار ہوتا ہو تو طلبہ بجا طور پر اُسے استاذ کی بجائے بے تکلف دوست سمجھیں گے، استاذ کا درجہ نہیں دیں گے اس لئے کہ یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان خود کتنا بھی برا ہو اپنے بزرگوں کو اس سے ماوراء دیکھنا چاہتا ہے، ایک فرض شناس استاذ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ طلبہ کے ذاتی معاملات و واقعات پر بھی ایک گونہ نظر رکھے، مثلاً کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرلی جائے۔ کسی کے ہاں کوئی حادثہ پیش آیا ہو تو اس سے کلماتِ تعزیت کہے، بیماری کے بعد مدرسہ آئے تو اس کی مزاج پرسی کر لی جائے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو بظاہر چند الفاظ ہیں لیکن درحقیقت انسان کے ذہن پر گہرے نقوش و اثرات چھوڑتی ہیں۔

آخر میں یہ گزارش بھی ضروری ہے کہ ہماری عصری درسگاہیں اخلاقی و مذہبی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اخلاقی انحطاط و زوال کا شکار ہیں ان میں پڑھنے پڑھانے والے الا ماشاء اللہ اخلاق و انسانیت سے تہی دامن ہوتے ہیں، ان کی اخلاقی تربیت پر بھرپور توجہ کی ضرورت ہے اس لئے کہ ایک قابل ڈاکٹر، انجینئر، قانون دان، صحافی اور ادیب بننا آسان ہے لیکن ایک ''اچھا انسان'' بننا مشکل ہے۔ بقول مولانا حالی مرحوم:

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

☆......☆......☆

© rasailojaraid.com